عورت کی امامت مسجد ایک زوایہ نگاہ

پروفیسر غلام رسول عدیم

"مدیر الشریعہ" حضرت مولانا زاہد الراشدی کے نام معروف محقق اسلام محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا مراسلہ پیش نظر ہے جس میں موصوف نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں چند سال پیشتر دیئے گئے لیکچروں کا حوالہ دے کر کلام کیا ہے اور اپنی کتاب "خطبات بہاولپور" کی طرف بھی ضمناً" اشارے کئے ہیں۔ پھر فرمایا ہے کہ لیکچر دیتے وقت تو ان کی بات سنی اور پڑھی گئی مگر اب بد قسمتی سے سیاسی مسئلہ بن گیا ہے جو علمی نقطۂ نظر سے افسوس ناک بات ہے

انہوں نے اپنی تحقیق کی بنیاد پر عورت کا مسجد کا امام بننا جائز قرار دیا ہے

۷ مئی ۱۹۹۲ء کے روزنامہ جنگ صفحہ ۱۲ کا حوالہ دیتے ہوئے اقتباس نقل کیا ہے کہ علما کا " متفقہ فیصلہ ہے کہ عورت کی امامت جائز نہیں" ا۔

پھر ذرا آگے چل کہ یہ بھی فرمایا کہ لوگ ان کے بیان میں تحریف نہ کریں۔ مثلاً "روز نامہ جنگ کی مزکورہ خبر اور اس سے ایک دن پہلے کی مماثل خبر میں مجھ ناچیز کی طرف یہ بیان بھی منسوب کیا گیا کہ حضور اکرمؐ نے کسی عورت کی امامت میں نماز ادا کی تھی۔ محض غلط بیانی اور اتہام ہے میں نے کبھی ایسا بیان نہیں کیا اور تاریخی نقطہ نظر سے یہ غلط اور نامعقول بات ہے ۲۔

ڈاکٹر صاحب نے بڑی عالی ظرفی کے ساتھ وہی منہج اظہار اختیار کیا ہے جو واقعی ایک محقق اور وسیع النظر عالم کے شایان شان ہے۔ اپنے ایک انکسار کا اظہار و اعتراف علمی تلاش و تحقیق کے مردان کار کا شیوہ خوب رہا ہے کیونکہ اس کے برعکس ۔ جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

یہ بات نہ خود ڈاکٹر صاحب جیسے گہری اسلامی بصیرت رکھنے والے محقق سے پوشیدہ ہے اور نہ ہی ان کے مقررین و مخالفین سے کہ اسلام کا مجموعی مزاج اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مرد و عورت کے دائرہ ہائے کار کو قرآن و حدیث میں متعین کر دیا گیا ہے۔ دونوں کو مقصد تخلیق اس انداز سے پورا کرنا چاہے کہ اپنی حدوں کو پھلانگے بغیر ہر معاشرتی سطح پر اس دنیا میں بھی کارگزار رہیں اور آخرت میں بھی کامگار ہوں دونوں اپنے اپنے دائرہ کار میں غایت تخلیق کی سرانجام دہی کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ اور مرد اپنے کچھ طبعی' نفسیاتی اور جسمانی خصائص رکھتا ہے تو عورت بھی اپنے ان مقتضیات میں اپنے دائرے میں انفرادیت کی حامل ہے۔

مرد کے دائرہ میں عمل کی مجموعی وسعت قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہے جن میں مرد کی قوامیت یا مردوں کو عورتوں پر درجے کا ذکر آیا ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اپنی جسمانی ساخت میں جو صلابت 'پختگی اور حیاتیاتی صلاحیت مردوں کو حاصل ہے' کاروبار اور دوڑ دھوپ کرنے کی جس استعداد سے بہرہ مند ہیں وہ انہیں کا حصہ ہے قرآن نے انہیں قیادت و سیادت دے کر عورتوں کا سر دھرا بنایا ہے تو تقاضائے فطرت کے عین مطابق ہے۔ اور یہ فضیلت طبعی اور خدا داد ہے۔ **وللرجال علیهن درجة (۲۸،۲)** ۳۔

----- **الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضهم علی بعض (۴؍۳۴) ۴**
جہاں تک اخلاقی' اعتقادی' روحانی سرفرازیوں اور شرف و کرامت کا تعلق ہے' پارسائی اور ارتقاء شعاری کا میداں عورت اور مرد دونوں کیلئے یکساں کھلا ہے۔

پھر زندگی کی جملہ معاملت و معاشرت میں اسلام نے مرد کے دائرے کو ایسا وسیع اور کشادہ کر کے پیش کیا ہے کہ معاشرے کا چھوٹے سے چھوٹا واحدہ (Unit) گھر کی صورت میں ہو یا تدبیر مملکت کے بڑے سے بڑے منصوبے ریاست (State) کی صورت میں فطرت اس میں مرد ہی کی قوامیت کی متقاضی ہے۔

ہاں عورت اپنے دائرے میں اس اہمیت کی حامل ہے جو اسی سے مختص ہے لیس الذکر کالا نثی بقول علامہ اقبال ۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

یہ محض خیال آرائی نہیں حکمت و حقیقت کی غمازی ہے۔ جس کسوٹی پر پرکھنا چاہیں پرکھ دیکھیں۔ قرآن نے عورتوں کو "قرن فی بیوتکن " کا حکم دے کر ایک خاص دائرے میں رہنے کا پابند کر دیا ہے کیونکہ وہ جب بھی اپنی سطح عمل سے اٹھنے کی کوشش کریں گی تو نیچے آرہیں گی کیونکہ خالق نے انہیں اس سطح سے اوپر اٹھنے کیلئے تخلیق ہی نہیں کیا۔

چند مثالیں جو سر فرست انکشافی نہیں
ے ایرا باہمہ راز است
کہ معلوم عوام است کا درجہ رکھتی ہیں محض تذکیرا پیش خدمت ہیں۔

نبوت جیسے منصب عالی کیلئے عورت استعداد کار نہیں رکھتی۔ یہ منصب صرف اور صرف مردوں کیلئے مخصوص ہے۔ وما ارسلنا قبلک الا رجالا" نوحی الیهم (۱۰۹؍۱۲، ۱۶؍۴۳)

وراثت میں الغرم بالغنم کا اصول کار فرما ہے۔ تعدد ازواج میں مرد ہی کو برتری حاصل ہے دیت میں عورت کی دیت مرد سے نصف رکھی گئی ہے شہادت میں حدود و قصاص' مالی معاملات وغیرہ میں عورت کو ترجیح حاصل نہیں۔

احکام حجاب میں خواتین پر زیادہ پابندیاں ہیں (احزاب؍۵۴) حق طلاق صرف مرد کو حاصل ہے " بیدہ عقدۃ النکاح " کا مصداق مرد ہی تو ہے۔ ولایت امر کسی بھی درجے میں ہو اگر عورتوں کو سونپ دی جاتے تو فلاح و صلاح عنقا ہو جائیں گے۔ " لن یفلح قوم ولوا امرہم امراۃ " (بخاری) عورت ازان دینے سے قاصر ہے۔ مسجد میں نماز گزاری کیلئے جانے کی اسے اجازت تو ہے مگر اسکا گھر ہی نماز پڑھنا افضل ہے **لا تمنعوا نساء کم المساجد و بیوتھن خیر لھن۔ (ابوداؤد)**

جب یہ امر کھل کر سامنے آگیا کہ مرد و زن کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے اور مرد کا دائرہ کار ان امور کیلئے زیادہ انسب ہے جن میں زندگی کی ہمہ ہمی اور حیات افروزی کے داعیے زیادہ کام کر رہے ہوتے ہیں تو معلوم ہو کہ اگر بعض کاموں کیلئے مرد کی ذہنی' جسمانی ساخت بالکل ناکارہ ہے تو دوسرے کاموں کیلئے عورت کی

نسوانیت اسے ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ وہ انہیں انجام دے سکے۔ اب آیئے اس خاص مسئلے کی طرف:
محولہ بالا مکتوب اور خطبات بہاولپور کے پہلے خطبے "تاریخ قرآن مجید" کی شق ۳۵ سوال ۱۴ کے ضمن میں صفحہ ۳۵ اور ۳۶ پر بالوضاحت مرقوم ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے جو موقف عورتوں کی امامت کے ضمن میں اختیار کیا ہے جبکہ ان کی اقتدا میں مرد حضرات بھی نماز پڑھ سکتے ہوں اسکی ساری عمارت حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث بن عویمر الانصاریہ کی روایت پر ہے جو حدیث کی مختلف کتابوں میں آئی

سنن ابی داؤد مسند احمد اور دار قطنی وغیرہ میں کہیں تفصیلا کہیں اجمالا" یہ حدیث وارد ہوتی ہے۔ سنن ابی داؤد میں الفاظ یہ ہیں۔

عن ام ورقة بنت نوفل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما غزا بدرا" قالت قلت لہ یا رسول اللہ ائذن لی فی الغزو معک امرض مرضا کم لعل اللہ ان یرزقنی شہادة قال قری فی بیتک فان اللہ عزوجل یرزقک الشہادة قال تسمی الشہیدہ قال وکانت قد قرت القرن فاستاذنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تتخذ فی دارھا موذنا فاذن لھا قال وکانت و برت غلاما" لھا و جاریتہ فقاما الیھا باللیل فغما ہا بقطیفتہ لھا حتی ماتت و ذھبا فاصبح عمر فقام فی الناس فقال من کان عندہ من ہذین علم او من راھما فلیجی بھا فامربھا فصلبا فکانا اول مصلوب بالمدینة۱ا۔

اس ضمن میں دوسری حدیث کے الفاظ ہیں۔

عن ام ورقة بنت عبداللہ بن الحارث بھذا الحدیث والاول اتم قال و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورھا فی بیتھا وجعل لھا موذنا یوذن لھا و امرھا ان توم اہل دارھا قال عبدالرحمن فانا رایت موذنھا شیخا کبیرا۔ ۱ا۔

سنن ابوداؤد (ایم ایم سعید کمپنی کراچی)
باب امامتہ النساء (ص ۸۷، ۸۸)

ڈاکٹر صاحب نے دونوں روایتوں کا مفہوم بیان کر دیا ہے اور ساتھ ساتھ ذاتی رائے کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ اس مفہوم و تبصرہ میں حدیث کا پہلا حصہ تو محل نظر نہیں۔ البتہ وہ حصہ جس میں حضرت ام ورقہؓ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں امامت کرانے کا استیزان منقول ہے۔ اسکا استنتاج معرض نقد میں ضرور ہے۔ ا۔ دوسری روایت کے لفظ یزورھا فی بیتھا کے الفاظ سے نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ آپؐ ہر ہفتے ام ورقہؓ کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اگر کوئی ہر پندرھواڑے یا ماہ بماہ تشریف لے جانا اخذ کرے یا یزورھا کے ساتھ احیانا" بلا تعیین وقت کا اضافہ کرنا چاہے تو اسے اس رائے زنی سے کون روک سکے گا اور کس علمی استدلال سے روکے گا۔ مستدرک حاکم میں ہے" ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول انطلقوا بنا الی الشہیدہ " ۱۲ا۔ جس سے معلوم ہوا آپؐ صرف خود ہی تشریف نہیں لے جاتے تھے آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھی ہوتی تھی وہ چھوٹی سی کیوں نہ ہو ہر ہفتے والی بات محض تکلیف و تکلف لگتی ہے۔

ii۔ دوسری روایت میں عبدالرحمن کا یہ کہنا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ موذن کو بچشم خود دیکھا جو خاصا ضعیف آدمی تھا۔ اس سے یہ اخذ کیا گیا کہ معمر بوڑھا اسلئے انتخاب کیا گیا کہ اذان کے بعد وہ اس مسجد میں جانے اور عورتوں کے ساتھ نماز پڑھے تو زیادہ قبیح نہ ہو۔

مگر یہ دلیل تو ڈاکٹر صاحب کے موقف کے خلاف جاتی ہے باآسانی کہا جاسکتا ہے کہ معمر شخص کا تقرر اس لئے عمل میں لایا گیا کہ وہ جیسے تیسے اذان تو اسی گھر والی مسجد میں دے لے مگر نماز کسی ساتھ والی مسجد میں مردوں کے ساتھ جا پڑھے۔ کیا ضروری کہ وہ موذن نماز بھی اس مسجد میں عورت کی اقتدا ہی میں پڑھے جس طرح یہ گمان کیا گیا ہے کہ وہ اسی مسجد میں نماز پڑھتا ہوگا اس طرح اس خیال کو رد کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ یہ صاحب اذان دے کر کسی ساتھ والی مسجد میں چلے جاتے ہوں۔

مدینہ منورہ تو کیا دوسرے مقامات پر بھی قرن اول یا مابعد کے ادوار میں اسلام کے عباداتی تناظر میں کسی مرد کے کسی عورت کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوئی ایک بھی نظیر موجود نہیں۔ پھر آخر کیوں اس گماں پر اصرار کیا جائے کہ وہ ضروری اس خاتون کے پیچھے نماز پڑھتے ہوں گے۔ کیا صرف اسلئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ورقہ کی درخواست پر انہیں امامت کی اجازت دے دی اور موذن مقرر کر دیا۔ اس سے یہ کیسے لازم ہوگیا کہ محض عورتیں نہیں ضروری مرد بھی اس قانون کے ماموم ہوں دوسرے یہ کہ ایک دوسرے مرد کی نشاندہی بھی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ام ورقہ کا غلام تھا اور جس نے اپنی رفیق کار کنیز کے ساتھ مل کر اس صحابیہ کو شہید کر دیا تھا درآنحالیکہ وہ دونوں مدبر تھے یعنی ان دونوں کو اسکی طبعی موت پر ازخود آزاد ہو جانا تھا۔

ان کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے۔ "دو غلام ایک بی بی ایک مرد ---- وہ بھی نماز با جماعت میں یقیناً" شریک رہتے تھے' ۱۳؎ یہاں یہ بات پورے تیقن سے کر ڈالی گئی ہے' گمان کی حد سے گزر کر یقین کی حد کو تو چھولیا ہے مگر دلیل یہاں بھی ندارد۔

بنائے مفروضہ یہ ہے کہ غلام کے پیچھے اس کی مالکہ نماز نہیں پڑھ سکتی " ظاہر ہے کہ غلام اپنی ہی مالک عورت کا امام نہیں بن سکتا جبکہ وہ عورت امام کا عہدہ بھی رکھتی ہو ۱۴؎۔ بنیاد بلا شبہ درست ہے مگر اس پر مفروضے کی عمارت بودی ہے۔ آخر کن قرائن سے معلوم ہوگیا کہ غلام نماز اس بی بی کے پیچھے ہی پڑھنے پر مجبور تھا جس کی وجہ سے ہمیں یہ یقین حاصل ہو۔

جس طرح موذن مرد کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ ساتھ والی مسجد میں نماز پڑھتا تھا اس طرح یہ امر بھی خارج ازامکاں نہیں کہ غلام بھی کسی مرد کی اقتدا میں نماز پڑھنے کیلئے قریبی مسجد میں جاتا تھا۔

(iii) اب چونکہ حدیث سے ان دو مرد حضرات کے علاوہ کسی تیسرے شخص کی نشاندہی نہیں ہوتی تو ڈاکٹر صاحب نے ایک اور مفروضہ قائم کرلیا۔ فرماتے ہیں' مزید برآں یہ بھی ممکن ہے وقتاً فوقتاً بی بی کے بعض رشتے دار ہم قبیلہ ان سے ملنے کیلئے آتے ہوں اور گفتگو کے دوران ھی نماز کا وقت آجائے اور آذان بھی دے دی جائے تو وہ وہیں ٹھہرے رہتے ہوں اور جماعت میں شریک ہو کر بی بی کی امامت میں نماز پڑھا

کرتے ہوں"۔

یہ مفروضہ ایسا ہے کہ اس جیسے کئی دوسرے خیال پیش کر کے باآسانی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ وہ خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی امام تھیں اور موذن کا تقرر بھی خود سرکار رسالتابؐ کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا لہٰذا سارا شہر اسکی امات میں نماز پڑھنے کیلئے امڈ آتا ہوگا بلکہ لوگ بیرون شہر سے بھی اس تبرک کے حصول کیلئے ٹوٹ پڑتے ہوں گے۔

یہ اور اس قسم کی لاطائل باتیں اس بنیاد پر کہی جاسکتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ محض امکان اور چیز ہے اور نفس واقعہ کا حقیقت الامر میں وقوع پذیر ہونا دوسری چیز ڈاکٹر صاحب کا یہ گمان کہ اس خاتون کے رشتے دار آتے تھے تو اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے گمان غالب ہی سہی مگر اسلام کا نظام عبادات اس سے ابا کرتا ہے کہ عورت مردوں کی امامت کراتی تھی۔ (یہ حقیقت ہم جیسے ہیچ مدان لوگوں کی نسبت ڈاکٹر صاحب جیسے فاضل محقق پر زیادہ مبرہن ہے)۔

(iv) یہاں پہنچ کر ڈاکٹر صاحب کیلئے مشکل یہ آن پڑی کہ نماز باجماعت میں مرد حضرات کو جگہ کہاں دیں۔ یہ امر تو ثابت شدہ ہے کہ مردوں کو اگلی صفوں اور ر عورتوں کو پچھلی صفوں ہی میں جگہ دینا منشائے رسولؐ ہے اور پھر یہ بھی کہ عورت عورتوں کی بھی آگے بڑھ کر امامت نہیں کرا سکتی وہ صف اول میں وسط صف میں کھڑی ہوگی۔

دار قطنی میں صلاۃ النساء جماعۃ " وموقف امامھن " کا باب باندھ کر ۶ حدیثیں نقل کی گئی ہی پہلی نہایت اختصار کے ساتھ حضرت ام ورقہ والی حدیث ہے اور دوسری حدیث ر یطہ حنفیہ کی روایت سے بیان کی گئی ہے۔

قالت امتنا عائشتہ فقامت بینھن فی الصلوۃ المکتوبتہ ۱۶

مستدرک والی روایت میں ہے " وتقوم وسطھن " مصنف عبدالرزاق میں ام سلمہؓ کی امامت کا ذکر ہے " عن ام سلمہ انھا امتھن فقامت وسطا" " ۱۷

یہ اور اس جیسی دوسری روایات کا مفاد یہی ہے کہ فرائض و نوافل میں عورتوں کیلئے عورت کی امامت بدرجہ استحباب روا ہے۔

امام شافعی، امام اوزاعی، سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل امام ابوحنیفہ اور دیگر بے شمار اساطین یہی موقف رکھتے ہیں یہ سارا حدیثی سرمایہ محترم ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں بہر صورت ہے لہٰذا ان احادیث کے پیش نظر اپنے نقطۂ نگاہ کی تائید میں ایک نیا قیاس پیش فرماتے ہیں۔

" موذن اور امام غالباً" صف اول میں ہوتے اور دیگر شریک نماز عورتیں ان کے پیچھے " فرمایئے اس گمان غالب میں اب غلام کدھر گیا۔

کہاں یہ کہ محدثین تو " اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال " جیسے باب باندھ کر ایسی روایات پیش کریں کہ حضرت عمرؓ اس بات سے بھی منع کرتے تھے کہ عورتوں والے دروازے سے بھی مسجد میں داخل ہوا جائے۔

"عن نافع قال ان عمر ابن الخطاب کان ینھی ان ید خل من باب النساء ۱۹ اور عبداللہ بن عمر جیسے لوگ عمر بھر عورتوں والے دروازے سے گزرنا پسند نہ کریں "فلم ید خل منہ ابن عمر حتی مات ۲۰" (ابوداؤد جلد اول ۶۶ ـ ۶۷ کتاب الصلوۃ) اور کہاں یہ کہ مردوں کی ایک صف کی صف اس خاتون امام کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑی ہو صحیح مسلم میں "تسویۃ الصفوف واقامتھا" کے باب کے تحت ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا اٰخرھا وخیر صفوف النساء اٰخرھا وشرھا اولھا ـ ۲۱

اس سے مردوں کا اگلی صفوں اور عورتوں کا پچھلی صفوں میں ہونا ظاہر ہو رہا ہے اور امامت کا عہدہ تو مرد کیلئے مختص ہونا مستفاذ ہے ہی جب عورت اذان نہیں دے سکتی حتی کہ مرد امام کے پیچھے امام کو بھول جاتے کا احساس دلانے کیلئے بول بھی نہیں سکتی محض تصفیق کر سکتی ہے تو مردوں کی امام کیسے بن سکتی ہے؟
(صحیح مسلم مجلد ثانی ص ۱۵۹ موسسہ مناھل العرفان ' بیروت)

لفظ دار کی تحقیق ـ ایک لفظ جس سے ڈاکٹر صاحب نے اپنے نقطۂ نگاہ کی تائید کیلئے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے وہ ہے لفظ دار جو اس حدیث میں وارد ہوا ہے۔ حدیث کے اس ٹکڑے کے الفاظ یہ ہیں۔ "**فاستاذنت ان تتخذ فی دارھا موذنا فاذن لھا**" قرآن مجید' حدیث رسولؐ اور دوسرے استعمالات کے ضمن ۲۲ میں لفظ دار کی ائمہ لغت نے جس طرح وضاحت کی ہے ذیل کی سطور میں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

الدار : المحل یجمع البناء والعرصۃ' انثی' قال ابن جنی ہی من دار' یدور بکثرۃ حرکات الناس فیھا ج ادور' ادؤر ـ

○ **اسم جامع للعرصۃ والبناء والمحلۃ وکل موضع حل بہ قوم 'فھو دارھم والدنیا دارالفناء والاخرۃ دارالقرار و دارالسلام ۲۳**

(لسان العرب الجزء الرابع لابن منظور افریقی) ۱۳۱۱ء

○ **الدار : القبیلۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انبئکم بخیر دور الانصار' اراد بذالک القبائل خیر دور الانصار بنو نجار ۲۴**

(بخاری مناقب)

مجمل اللغۃ لابن فارس م ۳۹۵ ھ

○ دار i ـ بمعنی قبیلہ ما بقیت دار الابنی فیھا مسجد

ii ـ بمعنی گھر وھل ترک لنا عقیل من دار ۲۵ النھایۃ لابن اثیر الجز ثانی ۶۰۶ ھ

○ دار قرآن میں چار معنوں میں مستعمل ہے۔

i ـ گھر (ا) فاصبحوا فی دارھم جثمین (۷۸ ر اعراف)

(ب) فاصبحوا فی دیارہم جثمین (۶۷ ر ھود)

ii۔ شہر — او تحل قریبا من دارھم (مدینتھم) (۳۱ر رعد)

iii۔ جنت — و لنعم دارالمتقین جنات عدن (۳۰ر نحل)

iv۔ جہنم — دارالبوار (جہنم ۲۸ر ابراہیم) ۲۶۔

قاموس القرآن حسین بن محمد دامغانی ولادت ۴۰۰ھ

○ دار الدار المنزل اعتبارا بدورانہا الذی لہا بالحائط' قیل دارۃ و جمعہا دیار ثم تسمی البلدۃ دارا والصقع دارا والدنیا کما ہی دارا والدارا للدنیا والدا الا خرۃ اشارۃ الی المقرین فی النشاۃ لاولی والنشاءۃ لاخری۔ المفردات

حسین بن محمد راغب الاصفہانی م ۵۰۲ ۲۷۔

○ الدار :۔ المحل یجمع البناء والعرصہ کا الدارۃ وقد تزکرج ادوروادور و آدر و دیار ودیارۃ والبلد و مدینۃ النبی والقبیلۃ کا الدارۃ وبھاء کل ارض واسعۃ بین جبال وما احاط بالشی کا الدائرۃ ۲۸۔ القاموس المحیط محمد بن یعقوب فیروز آبادی ۱۴۱۴ء

○ دار۔

1: A house a mansion; and especially a house of a large size compsising a court;

or a house compsising several sets of apartments and a court.

2: Place of abode which compsises a building,or buildings,

and a court, or space in inwich is no building.

3: Any place in inwhich a people law abighted and taken up their abode, an abode, a building.

4: A Country or district or a city, town or village.

5: A Trible مرت بنا دار بنی فلاں

The tribe of the sons of such a one passed by us.

(Arabic English Lexicon Edward Wilban Lame (1801 - 1876 AD P29)

○ دار سرائے وقد یزکر علی معنی المثوی الموضع قال اللہ تعالی و لنعم دارالمتقین و شہرمدینہ منورہ شرفہا اللہ و موضع است و قبیلہ است و نام ہے رہ سمتی عبدالواحد دارالبقردو دہ اند بمصر دارالقضاکہ عمر رضی اللہ عنہ وصیت کردہ کہ بقیمت آں ادائے دین کنند

دارالسلام بہشت ودار عمارہ دو محل اند بغداد مشرقی و غربی و دار القطن محلّہ است بہ بغداد دار شیشعان درختے است خار دار ۳۰؎

منتہی الارب جلد اول

عبدالرحیم بن عبدالکریم صفی پوری۔ مطبع اسلام لاہور ۱۹۲۵ء

مذکورہ بالا لغوی حوالوں سے لفظ دار کے جو معنی متبادر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

- منزل ' سرائے ' گھر ' ٹھکانہ ' بڑی ریلی جس میں کئی کمرے ہوں اور کھلا صحن ہو۔
- قبیلہ
- ہر وسیع قطعہ ارض جو ان پہاڑوں کے درمیان ہو جو دائرے کی طرح اسے گھیرے ہوتے ہوں۔
- محلّہ ' کالونی
- علاقہ ' ضلع
- گاؤں ' قصبہ ' شہر
- جنت
- دوزخ
- مصر میں دو گاؤں کا نام "بطور اسم علم"
- ایک خار دار درخت کا نام

لغت کی ہر کتاب اصلا" دار کا معنی گھر 'ٹھکانہ 'جائے قیام 'رہائشگاہ ہی بتاتی ہے دوسرے معانی یا تو مجازی و مرادی ہیں یا اضافی جو قیامگاہ ہی کی مشابہت سے اخز کئے گئے ہیں محدثین نے اکثر مقامات پر دار اور بیت کو مرادف ہی قرار دیا ہے۔ امام بخاری نے "المساجد فی البیوت و صلی البراء بن عازب فی مسجد دارہ جماعت کا باب باندھ کر محمود بن ربیع کی حدیث بیان کی ہے جس میں بیت کا لفظ ۵ مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور دار کے بدل کے طور پر کیا گیا ہے جو عنوان حدیث میں واقع ہوا ہے

ابو داؤد میں اتخاذ المساجد فی الدور کے باب کے تحت ام الموء منین حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث سے مراد بجز بیوت کے کچھ نہیں

حاصل کلام یہ کہ لفظ دار مختلف معنوں کو محتمل ہے اور عربی زبان کے بہت سے الفاظ کثیر المعانی اور مفہوم المراد ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ کسی خاص موقعے پر اس ڈھیر میں سے کونسا موت چننا ہے زیر نظر حوالے سلسلے میں دار بمعنی بیت نہ سمجھنا اور اسے محلے اور Colony کے معنوں میں لینا اپنی ہی رائے پر اصرار کے سوا کچھ نہیں۔ اگر کوئی دوسرا محقق شہر یا علاقے کے معنوں میں لے لے تو سارے شہر کی امامت اس بی بیؓ کے سپرد ماننا پڑے گی اگر قبیلے کے معنی میں لے لیا جائے تو انصار کے مختلف قبیلوں کا اس مسجد میں آنا آخر کس دلیل کی بنا پر نہ مانا جائے؟

ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا بھی محل نظر ہے کہ چونکہ عہد نبوی میں اسکی مزید مثالیں نہیں ملتیں وہ گویا اس

کا جواز بتانے کیلئے رسول اکرمؐ نے ایک مرتبہ فرمایا دوسرے الفاظ میں ضرورت پر ہم ایسا کر سکیں بے ضرورت وہ ناپسندیدہ ہی سمجھا جائے گا

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے موصوف اسے جواز بنا کر بکراہت ہی سہی اجازت سے بوقت ضرورت فائدہ اٹھانے کے قائل ہیں

لیکن اگر ام ورقہؓ کیلئے ان کے گھر میں آنخضرتؐ کی خصوصی اجازت امامت مان لی جائے اور ان کے لئے ایک معمر بزرگ کو اذان کیلئے مقرر کرنا انہیں کا اختصاص تسلیم کر لیا جائے اور صرف خواتین ہی کا ان کی میں اقتداء کرنا باور کر لیا جائے تو اس میں کون سی قباحت ہوگی۔ اس اختصاص اجازت کو عمومی جواز بنانے کا نہ عہد رسالت ماب میں کوئی دوسرا واقعہ ہے نہ خلفائے الراشدین کے عہد فرخ نال میں اور نہ عالم اسلام کی چودہ صدیوں میں اس جواز کو تسلیم کیا گیا اور نہ ہی آخر تک اسکی کوئی ضرورت پیش آئی

ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا کہ " بات نئی تھی مگر ایجاد بندہ نہ تھی بہیں بھی قابل غور ہے یہ بات قطعا" نئی چودہ سو سال سے لاکھوں کروڑوں اہل علم کی نگاہ سے ہے یہ حدیث گزری شارحین نے شرحین لکھیں مدارس و جامعات میں کتب حدیث پڑھائی جاتی رہی ہیں ابوداؤد کسی دور میں بھی گم نہیں ہوئی دوسری کتب حدیث بھی طلاب حدیث اور علمائے کرام کیلئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی نہ ہے۔ البتہ محض دعاظ و عوام کیلئے تو ہر مسئلہ ہی ایک انکشاف کا درجہ رکھتا ہے اور ہر بات ہی نئی ہوتی ہے ہاں البتہ اگر بات' سے مراد استنباط و اخذ نتائج ہے تو پھر بات بالکل نئی نویلی بھی ہے اور ایجاد و اختراع بھی

حرف آخر کے طور پر سند حدیث کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اس حدیث کے دوراوی ولید بن عبدالرحمن اور عبد الرحمن بن خلاد پر ائمہ فن اور ہر ناقدین حدیث نے جرح کی ہے۔ ولید بن عبدالرحمن کے بارے میں ابو حاتم کا کہنا ہے کہ یکتب حدیثہ' ولا یحتج بہ اس سے حدیث منقول تو کر لی جاتی ہے مگر اسے حجت کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا۔ اور جہاں تک دوسرے راوی عبدالرحمن بن خلاد کا تعلق ہے وہ بقول حافظ ابن حجر عسقلانی مجہول الحال راوی ہے۔ ایسی ضعیف حدیث کو کسی حکم کیلئے استعمال کرنا اور امامت خواتین جیسے اہم مسئلہ میں صرف اس ایک روایت پر انحصار کر کے عمومی جواز ڈھونڈنا اسلام کے مجموعی نظام عبادات میں کتنی ہی مزید کراہتوں اور الجھنوں کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے اسے خصوصی اجازت ہی پر محمول کیا جائے تو بھی احقاق حق کے تقاضے مجروح نہیں ہوتے

اگر ہر شخص جملہ ملزومات موضوع سے صرف نظر کرتے ہوئے خیال آرائیاں کرتا چلا جائے تو اسے ذاتی خیال آفرینی کی نادرہ کاری تو کہا جا سکتا ہے فکر کی جدت بھی اسکے لئے مناسب نام ہوگا مگر حقیقت رسی و حقیقت رسانی کا مرحلہ کبھی نہیں آئے گا پھر شاعر طبع لوگ با آسانی کہہ سکیں گے

علم کیا علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے دھیان میں آئی

محولہ ماخذ و مراجع

ا۔ مکتوب گرامی ڈاکٹر محمد حمید اللہ بنام مدیر الشریعہ (جو اس پرچے میں من و عن چھاپ دیا گیا ہے)
۲۔ ایضاً" ۳۔ القرآن ۲۸،۲ ' ۴۔ القرآن (۴،۳۴) ۵۔ القرآن ۳۶،۳ ' ۶۔ القرآن ۳۳،۳۳ ۷۔ القرآن ۱۰۹،۱۲ ' ۴۳،۳۳ ،۱۶ '۸۔ بخاری ۹۔ ابوداؤد علاوہ ۱۰۔ ابوداؤد امامتہ النساء ۱۱۔ ایضاء ۱۲۔ المستدرک جل اول صلوۃ ۱۳۔ مکتوب مذکور '۱۴۔ ایضاً" ۱۵۔ ایضاً" ۱۶۔ دار قطنی ' صلاۃ ۱۷۔ المستدرک صلاۃ ۱۸۔ مصنف عبدالرزاق صلاۃ ۱۹۔ ابوداؤد صلاۃ ۲۰۔ ایضاً" ۲۱۔ مسلم تسویتہ الصفوف ۲۲۔ ابوداؤد صلاۃ ۲۳۔ لسان العرب ۲۴۔ مجمل اللغہ ۲۵۔ النہایتہ ۲۶۔ قاموس القران ۲۷۔ المفردات ۲۸۔ القاموس ۲۹۔ Lexicon Laves ۳۰۔ منتہی الارب ۳۱۔ بخاری صلاۃ ۳۲۔ ابوداؤد صلاۃ ۳۳۔ مکتوب مذکور ۳۴۔ مکتوب مزکور

عالم اسلام پر مغربی فکر کی یلغار
اور
علماء کرام کی ذمہ داری

۲ اگست ۹۲ء کو ھڈرسفیلڈ برطانیہ میں منعقد ہونے والی جمعیۃ علماء برطانیہ کی سالانہ توحید و سنت کانفرنس سے مذکورہ بالا عنوان پر مدیر الشریعۃ کا فکر انگیز خطاب الشریعۃ کے

آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(ادارہ)